© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سید عبداللہ

نظیری نیشاپوری

(نغمہ سنجِ کوہ و دشتم از گلستان نیستم)

نظیری کی شاعری کے بارے میں معاصرین اور متاخرین نے بہت کچھ کہا ہے مگر غور کیا جائے تو ابھی بہت کچھ کہنا باقی ہے۔

معاصرین اور قریبی اہلِ عصر میں سے مُلا عبدالنبی نے مے خانہ میں لکھا ہے :

"سخنانش ہمہ رنگین و متین واقع شدہ ، ساختگی بے جا و استعارۂ بدنما در کلامش نیست"

ماثرِ رحیمی میں لکھا ہے :

"چنداں ابداعِ معانیٔ غریبہ و مضامین مشکلہ کہ اودا روی دادہ ، ہیچ یک از موزونای را ندادہ"

ابوالفضل نے آئین میں لکھا ہے :

"بظاہر آبادی عمارتِ باطن می سگالد"

مخزن الغرائب میں ہے :

"وے طرز بابا فغانی را اختیار نمودہ و آں روِش را بحدِ کمال رسانیدہ ، کلامش نہایت رقیق بہ پختگی و برشتگی واقع شدہ ، ہرچہ از عذوبت و نزاکت و لطافت و روانی گوئید دارد"

جیسا کہ ظاہر ہے ان سب توصیفات سے صحیح معنوں میں نظیری کے ادبی رتبے کا تعارف ممکن نہیں۔ جدید نقادوں میں شبلی نے کہ فارسی شاعری کے عظیم مزاج دان تھے نظیری کی شاعری پر عمدہ بحث کی ہے اور راقم الحروف بھی اس سے بغایت مستفید ہوا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظیری کا دیوان قصائد و غزلیات پر مشتمل ہے۔ شبلی نے اس کی قصیدہ نگاری کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے قصیدوں میں "غزل کا مذاق غالب تھا اور زبان میں نہایت گھلاوٹ اور نزاکت آگئی تھی۔ اس لیے اس کے قصیدوں میں زور نہیں، اور تشبیب تو صاف غزل معلوم ہوتی ہے ...... وہ قصیدے میں عرفی کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتا"۔ البتہ نظیری کے قصائد کی تاریخی اہمیت ہے۔"

اس کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں کہ نظیری دراصل غزل کا بادشاہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ہر دور میں اہل نقد و نظر نے اس کے کلام کی تحسین کی ہے۔ غالب نے تسلیم کیا ہے (اور غالب سے قبل تو بعض شعرا نے ہمارے دیوانِ نظیری کا جواب لکھا ہے اور جواب بھی دراصل اظہارِ عقیدت کی ایک شکل ہے)۔

میرے نزدیک نظیری کا کلام (سرمایۂ غزل) تین خصائص کی بنا پر اہمیت رکھتا ہے:

اول: طرز تازہ گوئی کے نمائندے کی حیثیت سے۔

دوم: انفرادی اسلوب کی بنا پر۔

سوم: پُر یقین اور توانا لہجے کی بنا پر۔

طرز تازہ گوئی (جیسا کہ میں نے ایک اور مضمون بیان کیا ہے) عبارت ہے۔ (۱) معاملہ گوئی کے باوقار انداز۔ (۲) ایمائی و اشاراتی طرز بیان اور۔ (۳) ہمہ رنگ مضامین کی آمیزش سے۔

عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی میں نظیری کے بارے میں لکھا ہے:

"مقتدائے شاعرانِ سخن دان و پیشوائے عاشقانِ صادق بیان ...."

تذکرہ مبتلا میں یہی بات یوں ادا ہوئی ہے:

"کلامش مستمعان را بے اختیار از خویش می برد و بر جراحت دل دردمندان نمکِ اضطراب می ریزد" (بحوالہ مے خانہ)

نہاوندی نے نظیری کو "پیشوائے عاشقانِ صادق بیان" کہہ کر ان کے مضامین محبت (معاملات) کی صداقت کی طرف اشارہ، اور مبتلا نے ان کے کلام میں درد و رقت کے عنصر کا تذکرہ کیا ہے۔

نظیری کی معاملہ بندی کے خصائص اور محاسن کے بارے میں شبلی نے جو کچھ لکھ دیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر اضافہ ممکن نہیں۔ نظیری کو معاملہ بندی کا پیشوائے فن کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کی معاملہ گوئی میں خارجی ادا نگاری کے ساتھ ساتھ ان اداؤں کی نفسیات و محرکات کا بیان بھی ہے جس کی وجہ سے اس معاملہ گوئی کی نوعیت جُدا ہو گئی ہے۔

پھر یہ معاملہ گوئی محض خارجیت پر مبنی نہیں۔ اس میں داخلیت (شاعر کے اپنے قلبی احساسات کا بیان) بھی شامل ہے۔ وہ عشق و محبت کی کل اقلیم کی سیاحت کرتا ہے۔ جہاں وہ عشق و محبت کے خارجی واقعات کی سچی تصویر کھینچتا ہے، وہاں وہ قلبی اثرات اور نفسیاتی ردِ عمل کی روداد بھی بیان کرتا ہے۔ اس کا کلام رودادِ حُسن بھی ہے اور داستانِ محبت بھی۔

نظیری خود کو وحشی یزدی، شہرت جہاں قزوینی اور ولی دشت بیاضی کی طرح، خارجی معاملہ بندی اور داخلی اثر نگاری تک محدود نہیں کر دیتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر زندگی کی دانش و تجربہ کے متعلق مضامین بھی پیش کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ وہ حافظ کی کامیاب تقلید نہیں کر سکا مگر اس کی آرزو یہی ہے کہ حافظ کا معیار حاصل کرے۔ ایک موقعہ پر اس نے بطور آرزو یہ کہا ہے:-

تا اقتدا بحافظِ شیراز کردہ ام
منظورِ یار گشت نظیری کلام ما

یہ تو صحیح ہے کہ نظیری کا کلام منظور و مقبولِ عام ہوا (اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ منظورِ یار بھی ہوا یا نہیں) مگر یہ ماننا پڑے گا کہ اسے حافظِ شیراز کا معیار حاصل نہیں ہوا، البتہ اس نے اپنا ایک معیار (رنگ) ضرور قائم کر لیا۔

اپنے رنگ میں مذکورہ بالا خصائص کے علاوہ یہ بھی ایک امر خاص ہے کہ نظیری کے یہاں ایک خاص قسم کی دانش کا انداز تصوری (Idealistic) نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ہے، وہ خیالی جنت کا قائل نہیں، زندگی کی عُریاں حقیقتوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اور کسی فریبِ خیال میں مبتلا ہوئے یا کیے بغیر، سچائی بیان کر کے قاری کے ذہن کو اس کے مقابلے کے لیے تیار کرتا ہے:

چشمۂ حیواں نظیری ہیچ نیست
عالمے تاریک و قحطِ آفتاب

یہ وہی چشمہ حیواں ہے جس کے بارے میں حافظ نے کہا تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکندر را نمی بخشند آبے
بزور و زر میسّر نیست ایں کار

ایک خیالی آبِ بقا کے لیے سکندر کی مانند سینکڑوں آرزومندانِ حیاتِ ابد کو نظیری کی تلخ نگاری پسند تو نہ آئے گی مگر حقیقت یہی ہے کہ چشمۂ حیواں کی کُل ہست و بُود وہی ہے جو نظیری نے بیان کر دی ہے۔

اور اسی غزل میں نظیری نے ایک اور تلخ حقیقت کا اظہار کیا ہے:

چارۂ ناسور تسلیم است و بس
خلق مرہم می نہند از اضطراب

اور کون کہہ سکتا ہے کہ یہ سچ نہیں۔ البتہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس تلخی میں "کلبیت" کا زہر کچھ زیادہ ہی مل گیا ہے۔ آخر "دنیا بر امید قائم" بھی تو ایک زندگی افزا حقیقت ہے۔ اور یہیں اس پر وہ حافظ سے جدا ہو گیا ہے۔ اس پر زیادہ زور اس لیے دے رہا ہوں کہ نظیری کی شیریں معاملہ گوئی نے اس کی شاعری کے اس پہلو کو چھپا رکھا ہے۔ اس خاص لَے کے علاوہ نظیری کے ہاں عمومی دانش بھی ہے مگر نظیری کی یہ کلبیت (جو عریاں حقیقت کی ترجمان ہے) آگے چل کر شکایتی اور احتجاجی رنگ بھی پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ کہتا ہے:

باغبانِ دہر نخلِ عمر را آبے نہ دارد
کاشتن دانست پروردن نمی داند کہ چیست؟

اسی کے زیرِ اثر وہ گردوں کے کاروبارِ "درہم" پر قہقہہ لگاتا ہے اور کہتا ہے:

تختۂ تعلیم گردون بین و نقشِ درہمش
خندہ چون شاگردِ زیرک طبع بر اُستاد کن

اسی احتجاجی ذہن کے تحت وہ ایک "جہانِ تازہ" کا نعرہ لگاتا ہے اور کہتا ہے:

نقشِ اُمید نظیری بجہاں نتواں یافت
بہ کہ ایں تختہ بشوئیم و ز سر تازہ کنیم

اسی غزل میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روشِ دیگر و آئینِ دگر تازہ کنیم

نظیری جس جہانِ نو کی آرزو رکھتا ہے وہ مردانگی اور قوت وسخت کوشی کا طلبگار ہے، اس کی آواز ایک سخت کوش آدمی کی آواز ہے، اسے نرمی و تازگی تنعم اور تن آسانی سے دلچسپی نہیں اور ظاہر ہے کہ احتجاجی نے رکھنے والے کسی شاعر کو اس مزاج سے دلچسپی ہو بھی نہیں سکتی ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی شاعری میں اقبال[1] کے سے لہجے سنائی دیتے ہیں ۔ وہ طرفِ چمن کے زمزموں سے مسرور نہیں اسے تو قہقہہِ دامنِ کہسار مطلوب ہے :

دلم از زمزمہ طرفِ چمن نکشاید
گوش بر قہقہہِ دامنِ کہسار کنم

در چمن معذور داریدم اگر گردم ملول
نغمہ سنجِ کوہ و دشتم از گلستان نیستم

اس اندازِ نظر کے تحت، اس کے کلام میں جارحانہ رویّہ اور مصلحت سوز اقدام اور جوش و ولولہ نمایاں ہے ۔ اسی سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا تھا :

بملک جم نہ دہم مصرعۂ نظیری را
کسے کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

جس غزل سے یہ مصرعہ لیا گیا ہے اس میں سراسر یہی ولولہ موجود ہے ۔ اور نظیری کے اس شعر میں تو گویا خود اقبال بول رہے ہیں :

مومن نتواں گفت عاشق کہ مجاہد نیست
رو بوسہ چو سر بازاں بر طرۂ پرچم زن

نظیری کے اس شعر میں بھی اقبال کی آواز سنائی دیتی ہے :

---

[1] اس موضوع پر میں نے ایک مستقل مضمون (اقبال کا ایک ممدوح، نظیری) لکھا ہے ۔ (دیکھیے میری کتاب مقاماتِ اقبال)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ کسے نشیں نظیری کہ بہ نیش نوش بخشد
چہ تمتع حلاوت ز حدیث بے گزنداں

اس مختصر شذرے میں نظیری کی مکمل کتابِ دانش پیش نہیں کی جا سکتی۔ صرف چند نکاتِ حکمت کی پیش کش ممکن ہے۔

نیست ممکن بزندگی آرام   تا نفس باقی است در تنگ و پوست

حقیقت سادہ ہے اور نظیری نے اس کا بیان بھی سادہ کیا ہے مگر سچائی بنیادی ہے:

قطعِ دنیا نمی شود چہ کنم
قوتِ مور دجستن از سر جوست

کوئی اور لکھتا تو یہ کہتا کہ میں نے زندگی سے قطع تعلق کر لیا ہے مگر نظیری نے صاف گوئی سے کام لے کر انسان کی بے بضاعتی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ بے چارہ انسان ترکِ دنیا بھی تو نہیں کر سکتا۔

نظیری کے ہاں طلب و سعی کے مضامین باندازِ خاص آتے ہیں۔ وہ منزل سے زیادہ منزل کی طلب میں اعتقاد رکھتا ہے:

ز طلب عناں نہ پیچم بہ ہمیں کہ رہ دراز است
نرسم اگر بمنزل بہ رسم بکار روانے

طلب شرط ہے نصرت خدا کے ہاتھ میں ہے:

بہر کارے کہ نیت می گساری نصرت از حق جو
کہ بر کنجشک دام افگندم و صیدِ ہما کردم

گنج بے رنج نظیری چہ بود می دانی
بنشینی و دل از وسوسہ خرسند کنی

نظیری کے نزدیک عقل بھی ایک نور ہے:

کشفِ علمِ ازل نظیری کرد
نیست نورے چو نورِ دانائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب ذیل میں نظیری کے کچھ اشعار تبصرہ و تشریح کے بغیر پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین ان سے اپنے نتائج مرتب کر لیں۔

باعتمادِ کواکب مکن نظیری کار
کہ رہ نبردہ بخود مے کنند راہبری

دل کہ آشوبے ندارد چیست کاخ بے ہوا
ہر کہ سودائے ندارد چیست کاس بے مُلے
نغمۂ سنجیدہ می گویند این را ، نالہ نیست
نے نشانِ درد دارد نے خراشِ رقّتے

نیست با مشاطۂ گلبن طرازم حاجتے
عشق اگر خواہد بروید بر صفائے جنتے
آزادہ خاطران را فکرے عنان نگرد
گو غم گراں رکابست دل تیز گام گردان

این رقم زشتست طرح تازۂ بر صفحہ کش
وین بناسست است قصر قائے بنیاد کن
آنکس کہ دین ندارد و گوید کہ عارفم
تکفیر او بملّت ہفتاد و اندکن

تا کے چو موجِ آب بہر سو شتافتن
در عین بحر پائے بگرداب بند کسن
دلیل و حجتِ حق دیگر است و حق دیگر
طریقِ جہل ہزار و رہِ شناختن یکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیرے است بروں رفتہ ام از اختیارِ خویشتن
بنشستہ ام اندوہگین در انتظارِ خویشتن

نہ مقامے کہ دران زادِ سفر تازہ کنیم
نہ غبارے کہ ازان سرمہ نظر تازہ کنیم
نقشِ امیدِ نظیری بجہان نتوان یافت
بہ کہ ایں تختہ بشوئیم و ز سر تازہ کنیم

گنج در ویرانہ باید کرد پنہاں ایں عجب
بوالعجب تر اینکہ خود گنجیم و خود پروانہ ایم

طبعِ معشوقی و لافِ عاشقی از ما خطا است
طعمۂ بازیم اگر شمعیم اگر پروانہ ایم

کسے بمعرکۂ عشق کامیاب نشد
ظفر دو اسپہ مدد شد و لے نتاخت یکے

ز خیلِ نغمہ سنجان رفتم و طرزِ کہن بُردم
صداعِ بُلبل کج نغمہ از طرفِ چمن بُردم

ز بے مہری یارانم ازیں بہ یادگارے نیست
کہ مہرِ خویشتن را از ضمیرِ خویشتن بُردم

ہر کجا رُ راہ دہد اسپ بر آں تازہ کہ ما
بارہا مات درین عرصہ بتدبیر شدیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیست با خشک و تر بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

دلم از زمزمہ طرفِ چمن نکشاید گوش بر قہقہہ دامنِ کہسار کنم
نالۂ نغمہ سرایانِ چمن بے اثر است روئے دام زمرغانِ گرفتار کنم

عمرم بہ بغیر قفس و دام گذشت است من زمزمۂ درخور گلزار ندانم
خاموش زغوغا کہ دریں باغ نظیری یک نغمہ بصد شاخ سزاوار ندانم

برتر از حالِ نظیری نکتہ ہا گوئیم و از خود نیاید باورم

گنج در ویرانہ باید کرد پنہاں ایں عجب بوالعجب تر اینکہ خود گنجیم و خود ویرانہ ایم

زخیل نغمہ سنجان رفتم و طرزِ کہن بردم صداعِ بلبل کج نغمہ از طرفِ چمن بردم

مشغول بہ علم و ادب باش نظیری تا چند شوی شیفتہ لابہ و لاغم

ما برق جائے نور بکاشانہ بردہ ایم آتش بپاسبانیٔ پروانہ بردہ ایم

بہوش سیرِ چمن کن کہ شاہدان مستند قرابہ بر سرِ ابرِ بہار بشکستند

تا از فضائے دشت بگلشن فتادہ ام از چشم طائرانِ نوازن فتادہ ام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من دگر قوت پرواز ندارم از دام — کاش صیاد بداند کہ گرفتار شدم

ہر نوع کہ آید سخنِ عشق سرائیم — صبرِ خرد قافیہ اندیش ندارم

آنکس کہ دین ندارد و گوید کہ عارفم — تکفیرِ او بملت ہفتاد و اندکن

جنس کنعان مصریاں گفتند در بازار نیست — بیشتر ماندیم رخش از کاروان سودائیم

گرد راہ خضرے از نظرم می پاشید — سوئے ہر چشمہ شدم چشمۂ حیوان کردم
ہیچ اکسیر بتاثیر محبت نرسد — کفر آوردم و در عشقِ تو ایمان کردم

عیش ہا سیل بہاری بود تا آمد گزشت — صحبتے با دوستداران بر سرِ پُل داشتم

گر نمی گوئی نظیری، ہندوئے خویشم بخواں — کافرِ زنار بندم من مسلمان نیستم

دہر چوں در دشمنی شست ہمت افگندم بسیر — دشمنِ نامرد را من مردِ میدان نیستم

اگرچہ پائے تا سر عذرِ تقصیرِ گنہ بودم — ز خجلتہائے عصیاں لب ز استغفار می بستم

ما حالِ خویش بے سر و پا نوشتہ ایم — روزِ فراق را شبِ یلدا نوشتہ ایم

عشق بازی چیست جہدِ بے مراد — راہِ عنقا پوی و از عنقا مپرس
اہلِ حیرت را خبر از وصل نیست — غرقہ را از گوہرِ دریا مپرس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چشم بینایاں پریشاں بین بود / رہ زکوران پرس وازبینا مپرس

نظیری کی شاعری میں مضامین محبت کا فطری انداز، سچائیوں کا راست بیان، احتجاج کا ایک خاص نعرہ، سخت کوشی اور توانائی، اور اس پر ایک اولوالعزم باہمت آدمی کا حوصلہ نظر آتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کے کلام میں تصوف کے رسمی مضامین اور بعض فلسفیانہ افکار بھی ہیں مگر اس کی اصل شاعری، مذکورہ بالا اوصاف سے عبارت ہے۔ لطافت کے باوجود طنطنہ[1] اور گھلاوٹ کے باوصف شکوہ۔ اسی امتزاج نے نظیری کو مقبولِ خاص وعام بنایا تھا۔

---

[1] نظیری کی اس غزل کی فضا میں کتنی شوکت اور کتنا شکوہ پایا جاتا ہے:

وقت آں آمد کہ خرگہ با گل سوری زنی / لعبتِ چینی گزینی جام فغفوری زنی

چہرہ از لعلی قبا یان بدخشانی کنی / بادہ با قیر دزہ خطان نشاپوری زنی

دست ہا در گردنِ چوں رطل مینائی کنی / بوسہا بر ساعد چوں شمع کافوری زنی

سازو برگ بوس و آغوش و کنارت دادہ اند / بیش ازیں چوں نے نہیبا یدم اندوری زنی

عمر شیریں موج بر آبست باید چوں حباب / قرعہ بر نام شرابِ تلخ انگوری زنی

بلبل و گل پردہ از سازہ نوا بر داشتند / زشت باشد گر تو خواہی لاف مستوری زنی

بے کلاہ و کفش میر قندمستان در چمن / تو نمے خواہی کہ گل بر سر ز مغروری زنی

بلبل از نرگس دو مینے مے کند وقتست وقت / بر سر کرسی بر آئی بانگِ منصوری زنی

بادہ آخر شد صبوحی را نظیری سازدہ
ورنہ فردا حرفِ نتوانی ز مخموری زنی

© rasailojaraid.com